Vol. 4 No.1 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

عبادت بریلوی کی میر شناسی

غلام رسول

پی ایچ۔ڈی اُردو (سکالر)، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور

****ڈاکٹر محمد امجد عابد**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

*****فوزیہ شہزادی**

پی ایچ ڈی اردو (سکالر)

جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

******عاطف منظور**

لیکچرر اُردو (وزیٹنگ)، ڈویژن آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract:

Primarily known as the first class critic, Dr. Ibadat Barelvi is a versatile personality in Urdu Literature and criticism. His critical writings are rich in visionary thought, high-flown imagination and flowery phrases /beauty. He is no less then a certification when it comes to critique the poetic art of Mirza Ghalib and Mir Taqi Mir. The article under review brings Dr. Ibadat Barelvi's take on Mir Taqi Mir into consideration. In this, Dr. Ibadat Barelvi does an exhaustive discussion on Mir's perception of art and vision.

Key Words: Ibadat Barelvi, Mir Taqi Mir, Universality, Artistic consciousness, Grief, Perplexed, Pain and suffering, Imagery

کلیدی الفاظ: عبادت بریلوی، میر تقی میر، آفاقیت، فنی شعور، غم، پر آشوب، رنج والم، منظر کشی

میر تقی میرؔ کا شمار اُردو کے نامور شعرا میں ہوتا ہے۔ اس نام وری کا سہرا ان مصائب و آلام کے سر سجتا ہے جن سے آپ زندگی کے مختلف ادوار میں دوچار ہوئے۔ اِسی درد کو میرؔ نے شاعری کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا۔ میرؔ نے ساری زندگی رنج والم اور تکالیف کا سامنا کیا جس کی بدولت ان کی شاعری میں درد و غم اور رنج والم کے واقعات اور مضامین جابجا دکھائی دیتے ہیں۔ میرؔ کی شاعری کی بنیاد درد ہی ہے۔ حسرت، ناکامی اور اداسی جیسی کیفیات کا ذکر ان کی شاعری کا خاصہ ہے۔ زندگی بھر میرؔ کو جن محرومیوں کا سامنا کرنا پڑا ان کے اظہار کے لیے انھوں شعر کو وسیلہ بنایا۔ میرؔ کی خاصیت یہ ہے کہ انھوں نے ان حالات سے دوچار ہونے کے باوجود اپنی شاعری کے ذریعے مایوسی نہیں پھیلائی بلکہ اس کے ذریعے غم غلط کرنے کا شعور بخشا۔ میر تقی میرؔ اپنے عہد کے شعور سے پوری طرح واقف تھے جس کی بنا پر ان کی شاعری میں دلّی کی بربادی اور پر آشوب حالات کی منظر کشی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ اپنے منفرد اور اچھوتے شعری اسلوب کی بنا پر آج بھی ان کی انفرادیت قائم و دائم ہے۔ ان کی شاعری میں پائی جانے والی عمومیت، آفاقیت، صداقت، بے ساختگی اور برجستگی برسوں گزر جانے کے بعد آج بھی معنویت سے بھرپور اور زبان زد عام ہے۔ میرؔ کی شاعری زندگی کی حقیقتوں سے آشنا کرتی ہے۔ انھی حقیقتوں سے شناسائی حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر عبادت بریلوی نے میرؔ سے تعلق قائم کیا ہے۔ انھیں زمانہ طالب علمی سے ہی میرؔ کی شاعری سے شغف تھا۔ میرؔ کی شاعری سے اس گہرے تعلق نے عبادت بریلوی کو میر شناس بنا دیا۔ عبادت بریلوی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

"اردو شاعری میں میر تقی میر کی شخصیت اتنی دل کش اور ان کی شاعری کچھ اس درجہ دل آویز ہے کہ ان کے ساتھ ہر حال میں ایک رابطہ رکھنے کو جی چاہتا ہے۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ سے یہ رابطہ رکھا، اور گذشتہ چالیس سال کچھ اس طرح گزرے کہ میں ہمیشہ کسی نہ کسی طرح میرؔ سے قریب رہا ان کے کلیات کو ہمیشہ اپنے سرہانے رکھا،

Vol. 4 No.1 2020
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

روزانہ اس کا مطالعہ کیا اور کسی نہ کسی تقریب سے ان کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں باتیں کیں، مضامین لکھے، جلسے ترتیب دیے اور قریباً تیس سال تک میں اپنے طالب علموں کو میرؔ پڑھاتا بھی رہا۔ اس تمام عرصے میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جب میر کی شخصیت اور شاعری نے مجھ پر ایک سرگوشی کی کیفیت نہ طاری کی ہو۔" ۱

درج بالا اقتباس میرؔ شناسی کے رجحان کو تقویت دینے کی غرض سے ڈاکٹر عبادت بریلوی نے محض الفاظ کی صورت میں نہیں بلکہ محسوسات کی انتہائی مانوس صورت میں لکھا ہے۔ "کلیات میر" کو اپنے سرہانے رکھ کر سونے کی عادت کے حامل عبادت بریلوی نے اُن احساسات، تجربات، افکار اور مشاہدات کو کتنی شدت سے محسوس کیا ہے کہ وہ شدّت احساس جب الفاظ کی صورت میں تکمیل کی راہ پاتی ہے تو رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ عبادت بریلوی کے اس جملے میں محسوسات کا کتنا تسلسل پایا جاتا ہے کہ "اس تمام عرصے میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا جب میر کی شخصیت اور شاعری نے مجھ پر ایک سرگوشی کی کیفیت نہ طاری کی ہو۔"

عبادت بریلوی نے "کلیاتِ میر" کو پڑھنے اور سمجھنے کی حد تک ہی نہ لیا بلکہ وہ میرؔ کے اشعار میں موجود الفاظ اور پھر ان لفظوں میں چھپے ہوئے احساس کے راستوں پر سفر کرتے ہوئے میرؔ کی ذات تک جا پہنچتے ہیں اور ان احساسات و جذبات کے پیدا ہونے کا عرفان، ایقان کی حد تک جان لینے کے بعد میر شناسی کے علمبر داروں میں رہبر کامل کی حیثیت سے جدا نظر آتے ہیں۔ "ایقان" کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا کہ جب قاری تخلیق سے تخلیق کار تک کا سفر کرتا ہے تو اس تخلیق میں موجود الفاظ، جذبات اور احساسات سچے ہوں تو قاری با آسانی نہ صرف تخلیق کار کی سوچ بلکہ اس کے مقاصد تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ فن پارہ، ان خصوصیات سے تعبیر نہ کیا گیا ہو تو اس کی حیثیت بے کار عضو کی سی ہوتی ہے جو جسم کا حصہ تو ہوتا ہے مگر اس جسم کی اور اپنی تکمیل میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی خود ہی ہوتا ہے۔

عبادت بریلوی نے اپنی تصنیف "میر تقی میرؔ" میں میرؔ کی شخصیت کے ان اوراق کا شیفتگی و سادگی سے مطالعہ کیا جو اُن کی ذات سے خاص تھے اور اُن خاص اوراق کو اس طرح پڑھ بھی وہی سکتا تھا جو خود بھی خاص ہو۔ اُنھوں نے میرؔ کے حالات، شخصیت، ماحول، فنی شعور، تغزل، فکری پہلو، فنِ میر کی اہمیت اور تصانیف کا جو سلسلہ پیش کیا اس سلسلے کی ہر کڑی دوسری سے یوں جوڑی کہ دیکھتے ہی دیکھتے میرؔ کی صورت میں ایک قد آور سخن ور سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔

عبادت بریلوی نے جب میر تقی میرؔ کا میر سے "خدائے سخن" تک کا سفر طے کرنے کا جائزہ لیا تو سب سے پہلے میرؔ کے حالات کو عصری شعور کے تناظر میں بیان کیا اور غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ "میر نے شاعری کو درد اور درد کو شاعری بنا دیا ہے۔" ۲ عبادت بریلوی نے یہ نتیجہ میرؔ کے اشعار کے پس پردہ میرؔ کے زمانے کے پر آشوب حالات و واقعات کے اثرات کی صورت میں محسوس کیے گئے غم سے اخذ کیا ہے۔ غمِ روزگار ہو یا غمِ عشق، غمِ فراقِ یار ہو یا غمِ تنہائی، اپنوں کے بچھڑنے کا غم ہو یا اپنوں کے دُکھ دینے کا غم گویا کہ غم میرؔ کی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا۔ اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ میرؔ کی زندگی اُسی غم سے عبارت تھی اور میر کے اشعار کی زرخیزی بھی اسی غم کی بنا پر تھی۔ اُن کے دِل کا مرثیہ نہ صرف میرؔ کو رُلاتا تھا بلکہ سننے والوں کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہتے ہیں۔ عبادت بریلوی نے میرؔ کے دیوان میں اِس غم کی وجہ سے بپا قیامت کے سے ہنگامے کو محسوس کیا۔ میرؔ کے ہر شعر میں شور انگیزی کا احساس پنہاں تھا۔ عبادت بریلوی نے اس شور انگیز احساس کو اپنے دِل میں سمو کر اس کیفیت کے پس پردہ محرکات کو جاننے کی کوشش کی کہ اس شور انگیزی کی وجہ کیا ہے؟ آپ میر شناس ہی نہ تھے بلکہ میرؔ کے غم سے بھی شناسائی رکھتے تھے۔ عبادت بریلوی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

" میر نے شعر کا فن شعوری طور پر اختیار نہیں کیا۔ اُن کے یہاں شعر اس طرح پیدا ہوتا ہے جیسے کوئی سیال چیز لبریز ہو جانے کے باعث اپنے ظرف سے چھلک پڑتی ہے اور چھلک کر باہر نکل آتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان کے سارے کلام میں اس چھلکی ہوئی کیفیت کا پتا چلتا ہے۔ میر کی زندگی حسرت کا مجسمہ اور مایوسی کا مرقع تھی۔ اس حسرت اور مایوسی نے چھلک کر اُن کی شاعری کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اسی لیے وہ خود بھی حسرت کا مجسمہ اور مایوسی کا مرقع معلوم ہوتی ہے۔ اُن کے سارے کلام میں سوز و گداز اور نشتریت کی جو ایک لہر سی دوڑی ہوئی نظر آتی ہے وہ بھی اسی صورت حال کی پیداوار ہے۔" ۳

میرؔ کا غم وہ غم نہیں جو زیست کی راہ میں رکاوٹ بنے اور گھٹن کا احساس دلائے، بلکہ میرؔ نے غم کو غم کی حیثیت سے ماورا کر کے اُس کی ناگوار کیفیت کو خوشگوار مسرت میں بدل دیا۔ میرؔ کا غم زندگی میں تسلسل سے آگے بڑھنے کا سہارا دیتا ہے۔ مزید یہ کہ میرؔ کے اشعار میں غموں کو سلجھانے کا سلیقہ بھی ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ کی شاعری میں عمومیت و آفاقیت پائی جاتی ہے۔ میرؔ نے اپنے احساسات اور غم کی کیفیاتِ کو ہمہ گیریت کے پردے میں اپنے اشعار کے ذریعے بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اک

Vol. 4 No.1 2020
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

زمانہ گزر جانے کے باوجود میرؔ کی شاعری میں دلچسپی کا عُنصر ہنوز قائم ہے۔ میرؔ کی شاعری داخلی، شخصی اور انفرادی ہونے کے باوجود اپنے دامن میں وسعتیں سمیٹے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

"میر کی شاعری، اس کا غم، اس کی نشتریت، اس کا گداز، بیزاری کے بجائے ان کی شاعری میں ایک موانست کو پیدا کرتے ہیں جو انسانی فجاہی کے ہاتھوں وجود میں آسکتی ہے۔ میرؔ کی شاعری میں انسان ہے، انسانیت کی آواز ہے اور اسی لیے اس میں وَفاقیت ہے جو کسی حال میں بھی اس کے سحر کو ختم نہیں ہونے دیتی ہر زمانے میں اس کا اثر ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے زمان و مکان کی قید نہیں۔"۴

اس بات کا احساس شاید میرؔ کو بھی تھا درج ذیل شعر میں انھوں نے اسی حقیقت کی طرف اشارا کیا ہے۔

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

درج بالا شعر میں میرؔ نے جس شاعرانہ تعلی کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر غیر جانبداری کے ساتھ غور کیا جائے تو میرؔ کا یہ دعویٰ حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔ میرؔ کی شاعری محض شاعری نہیں بلکہ ایک ضابطہ حیات ہے جس میں ناکامیوں کو کامیابیوں میں بدلنے کا، رنج کو راحت میں ڈھالنے کا، دکھوں سے زندگی کی نمو پانے کا سلیقہ ہے۔ عبادت بریلوی نے میرؔ کی شخصیت کے مختلف پہلو اجاگر کیے ہیں اور ان کی شاعری میں موجود فنی شعور کی پختگی کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ کچھ پہلو میر کی ذات سے خاص ہیں۔ اُن میں سے ایک پہلو "میر کا فنی شعور" بھی ہے۔ میرؔ جس زمانے میں موجود تھے اُن کے معاصرین میں دردؔ اور سوداؔ جیسے شعرا بھی موجود تھے مگر میرؔ اپنے منفرد اسلوب اور فنی پختگی کی بنا پر اپنی انفرادیت قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"معنوی اعتبار سے احساس کی شدت، جذبے کے خلوص اور صوری اعتبار سے محنت اور جگر کاری کو میرؔ فن شعر کے لیے ضروری ضرور سمجھتے ہیں لیکن یہی چیزیں ان کے نزدیک حرفِ آخر نہیں۔ فن شعر اپنی بلندیوں کو حاصل کرنے کے لیے ان زمینوں کو چھوڑ کر نئے اُفق پر پرواز بھی کرتا ہے۔ اور یہ پرواز اتنی اونچی ہوتی ہے کہ وہ فکر کی بلندی تک پہنچ جاتا ہے۔ بغیر فکرِ بلند شعر میں گہرائی اور ہمہ گیری پیدا نہیں ہوتی۔ محض احساس کی شدت اور صرف جذبے کی خلوص سے فن، فن نہیں بنتا، اور اس کو عظمت سے ہم کنار ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ یہ عظمت تو فکر و شعور ہی اس میں پیدا کرتے ہیں۔"۵

عبادت بریلوی نے خلوص، شعور، روایت کی پاسداری، صداقت، صنّاعی، موضوع سے ہم آہنگی، حقیقت، خونِ جگر، تہہ داری، واقعیت، باتیں بنانا (اجتہادی باتیں)، عمومیت و آفاقیت، درد و غم، صوری حسن، نفسیات کا گہرا شعور، گداز، صوری خوبیاں، رمزیت و ایمائیت، شدتِ احساس، اسلوب کی عظمت، نغمگی و غنائیت، فکر بلند، طرزِ اظہار، سادگی و صفائی، توازن و نکھار، حُسنِ ادا، جذبات تربیت، جدّت شامل ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی نے میرؔ کے بعد کا زمانہ پایا اور اپنے شہرہ آفاق "مقدمے" میں آپ نے شعر کے جو لوازمات بتائے تھے میرے خیال میں میرؔ نے ان کو اور درج بالا لوازماتِ شعر کو نہ صرف پیش کیا بلکہ عملی صورت میں برت کر دکھایا۔ میرؔ کے گہرے فنی شعور کو محض شعور کی حیثیت سے لینا ناانصافی ہو گی کیونکہ اس کی حیثیت نظری نہیں عملی ہے۔ کہیں وہ صناعِ فن ہیں تو کہیں مجتہدِ فن، کہیں مبلغِ فن تو کہیں مفکّرِ فن کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ الطاف حسین حالی نے شاعر کی اصلاح کا جو بیڑا اٹھایا تھا یارانِ نکتہ داں نے اس پر مغربی تقلید پسندی کی مہر ثبت کر دی کہ حالیؔ نے اصلاحِ شاعری کی تحریک مغرب سے لی ہے۔ عبادت بریلوی کے خیال میں یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حالیؔ میرؔ کے مقلد ہوں کیونکہ "مقدمہ شعر و شاعری" میں حالی کے بیان کردہ لوازماتِ شعر میر کے لوازماتِ شعر کا ایک جزو معلوم ہوتے ہیں۔ یوں اصلاح شاعری میں میرؔ حالیؔ سے کہیں زیادہ بلکہ پیشوائی کی حد تک بڑھ کر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یارانِ نکتہ چیں کو میرؔ پر جرح کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا اور حالی کی پیشروئی شاید ان میں حوصلہ پیدا کر گئی ورنہ حالی پر مغرب کی تقلید کا الزام نہ لگتا بلکہ میرؔ کی تقلید کی مُہر ثبت ہوتی۔

Vol. 4 No.1 2020
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

میر تقی میر کے کلام کو دوام بخشنے اور کلاسیک کا درجہ عطا کرنے میں میرؔ کے گہرے فنی شعور کا بڑا عمل دخل ہے۔ شعری کلام میں فنی پختگی نہ ہو تو وہ بے جان ہوتا ہے اور اگر شاعر کا فن زندگی سے ہم آہنگ ہو تو پھر اس کے تخلیق کردہ اشعار بلاشبہ عصری شعور اور فنی پختگی کی معراج پر دکھائی دیں گے۔ یہی فنی شعور کی پختگی میرؔ کے کلام میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی میرؔ کے اس گہرے فنی شعور کو یوں بیان کرتے ہیں:

"اس گہرے فنی شعور نے میر کو صحیح معنوں میں میرؔ بنایا ہے۔ اس کی بدولت ان کے فن میں زندگی پیدا ہوئی ہے۔ زندگی جو صحیح معنوں میں فن کو فن بناتی ہے۔ میر اسی زندگی کے مفکر فن کار ہیں۔ زندگی اور فن کی اس ہم آہنگی نے انھیں ایک تحریک بنا دیا ہے۔ ایک ادارے کی حیثیت دے دی ہے۔ وہ سر بفلک پہاڑوں کا ایک عظیم سلسلہ معلوم ہوتے ہیں جو جغرافیائی اعتبار سے میدانوں پر کچھ ایسے اثرات چھوڑتا ہے کہ ان کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ اُردو غزل پر انھوں نے کچھ ایسے ہی اثرات چھوڑے ہیں اور یہ سب کچھ ان کے گہرے فنی شعور ہی کا کرشمہ ہے۔"٦

میر تقی میر کی خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ میرؔ کو غزل گوئی میں جو مقام اور دوام حاصل ہوا کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ میرؔ نے غزل کو صحیح معنوں میں غزل کے مقام تک پہنچایا۔ بالخصوص اردو غزل کو فنی اعتبار سے پختگی عطا کر کے بام عروج تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ اس عہد کے تمام شعرا سے منفرد ہیں۔ میر نے اردو غزل میں نئے تجربات کیے اور اُردو غزل کو نئے امکانات سے روشناس کروایا۔ ایہام گوئی کی تحریک کے اثراتِ بد اُردو غزل کے وجود کو موذی امراض کی طرح لاحق ہو چکے تھے۔ میرؔ نے اُردو غزل کے وجود کو جِلا بخشی اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے اِسے دیگر تمام شعری اصناف میں نمایاں اور منفرد مقام پر لا کھڑا کیا۔ میرؔ کے تغزل کا خمیر جن بنیادی خوبیوں سے گوندھا گیا ان میں عشق، احساسِ حُسن، ذوقِ جمال، تصورِ حسن، واقعیت نگاری، رنگینی تخیل، عمومیت و آفاقیت اور مطالعۂ زندگی خصوصی طور پر شامل ہیں۔

میر کا تصورِ عشق دنیاوی اور گروہی نہیں بلکہ انفرادی و آفاقی ہے۔ اس کی آبیاری اُن کے دل میں بچپن سے ہی اُن کے والد میر متقی اور چچا امان اللہ نے کر دی تھی۔ وقت گزرتے ساتھ میر کے دل میں شجرِ عشق تقویت پکڑتا گیا یہاں تک کہ تناآور درخت کی صورت اختیار کر گیا۔ میر کا یہ شجرِ عشق گرچہ ثمر آور نہ ہو سکا مگر سایہ اور برگ و بُو تسلسل سے دیتا رہا۔ میرؔ نے اسی شجرِ سایہ دار کے سایہ میں زیست کی کٹھن راہیں طے کیں اور بوئے برگِ شجر سایہ دارِ عشق کی آبیاری خونِ جگر سے تادمِ آخر کرتے رہے۔ اسی سبب عشقِ میر کی بُوہمہ گیریت اختیار کر کے آفاقیت کی حامل ہو گی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اس ضمن میں یوں گویا ہیں:

"میر کی زندگی اور ان کی غزل کا سب سے اہم پہلو عشق ہے۔ لیکن اس عشق کی حیثیت خیالی نہیں ہے۔ وہ خود ایک رابطہ ہے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے۔ اس کی اپنی ایک دنیا ہے۔ اس کا اپنا ایک اخلاق ہے۔ اس کی اپنی ایک تہذیب ہے۔ اس میں وسعت اور بے بانی کا پتا چلتا ہے۔ اس میں اتنی سادگی نہیں جتنی کہ بظاہر نظر آتی ہے نہ جانے کتنی چیزوں سے اس کا خمیر اٹھتا ہے۔ نہ جانے کتنے عناصر اس کی تشکیل میں مدد و معاون ہیں۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کو اگر دیکھنا ہو تو اس کی حقیقت میر کے اس عشق میں نظر آتی ہے جو ان کے ایک جذباتی ردِ عمل ہونے کی حیثیت سے بظاہر ان کی ایک انفرادی کیفیت ہے۔ لیکن اس میں اس قدر عمومیت ہے اور آفاقیت کا رنگ و آہنگ ہے کہ وہ ہر انسان کا ردِّ عمل معلوم ہوتا ہے۔"٧

کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت میر کے عشق کی انفرادیت ہے۔ میرؔ کے درج ذیل اشعار اس حقیقت کے غماز ہیں:

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل
عشق کے درد کی دوا ہے عشق
عشق سے جا نہیں کوئی خالی
دل سے لے عرش تک بھرا ہے عشق

Vol. 4 No.1 2020
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کون مقصد کو عشق بن پہنچا
آرزو عشق مدعا ہے عشق

میرؔ کے درج بالا اشعار کثرت اور وحدت عشق پر مبنی ہیں۔ عشق ایک درد ہو تو وحدت ہے، دوا ہو تو کثرت ہے، آرزو ہو تو وحدت، مدعا ہو تو کثرت ہے۔ زمین سے لے کر آسمان تک بلکہ عرش تک عشق ہی عشق پھیلا ہوا ہے۔ میرؔ نے اس پر اکتفا ہی نہیں کیا بلکہ میر کے مطابق اس کائنات میں کوئی جگہ ایسی ہے ہی نہیں جو عشق سے خالی ہو۔

میرؔ نے اپنے عشق میں رنگینی و رعنائی پیدا کی اور تصورِ عشق کے ساتھ تصورِ حُسن بیان کیا اور تصور حسن کے ساتھ تصور احساس حسن کو جوڑا۔ پھر اپنے ذوقِ جمال کی چاشنی کے ساتھ تصور محبوب کو یوں جوڑا کہ کبھی میر کا عشق زمینی حیثیت اختیار کر جاتا ہے تو کبھی آفاقی حیثیت کا علم بلند کرتا ہے۔ میرؔ جب تصور محبوب کو پیش کرتے ہیں تو لگتا ہے ان کا محبوب دنیاوی ہے مگر میر نے اُسے چھوا نہیں یا چھونا چاہتے ہی نہیں۔ یا یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ میرؔ نے عشق کے زیتونی شجر کو تجلی محبوب سے ضیا بخشی پھر ظلمات حیات میں اسی روشنی میں چلتے رہے۔ میرؔ نے وصلِ یار کو فنائے عشق میں بدلنے نہ دیا بلکہ منزل کی خواہش رکھے بغیر عشق کی پُر خار راہوں میں چلنے کو ترجیح دی شاید میر کی آفاقیت کی وجہ بھی یہی ہے۔ درج ذیل اشعار دیکھیے:

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میر جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

کشورِ عشق کو آباد نہ دیکھا ہم نے
ہر گلی کوچے میں اوجڑ پڑے تھے گھر کتنے

نمود کر کے وہیں بحرِ غم میں ڈوب گیا
کہیے تو میر بھی اک بلبلا تھا پانی کا

میر تقی میرؔ نے اپنی شاعری جن فکری پہلوؤں پر اُستوار کی ہے اُن میں تصوف، معاشرتی حالاتِ مطالعہ کائنات، مطالعہ زندگی، عظمت انسانی، مذہبی کشادہ نظری، محبتِ انسانیت، دنیا کی بے ثباتی، انسان کی فانی حیثیت جیسے افکار شامل ہیں۔

ان افکار میں سب سے زیادہ غالب پہلو میرؔ کا تصور تصوف ہے۔ میرؔ وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور پوری کائنات کو ذات، واحد کا جلوہ سمجھتے تھے۔ اس کائنات میں صرف ایک ہی حقیقت ہے باقی سب فنا ہے۔ اور میرؔ کے نزدیک اسی حقیقت کو ماننا اور اس کے تابع ہونا عشق حقیقی ہے۔ میر کے درج ذیل اشعار اس سلسلے کی کڑی ہیں:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ چراغِ سحری کا

میرؔ نے زندگی کا جو لائحہ عمل پیش کیا ہے اُس کی حیثیت ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ میرؔ کو جتنا اپنی شکستِ زیست پر دکھ تھا اس سے کہیں بڑھ کر انسانیت کا دُکھ تھا لوگوں کے حالات دیکھ دیکھ کر میر کڑھتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ میرؔ نے زندگی سے فرار کی بجائے اسے نبھانے کا اجتماعی ضابطہ اپنی شاعری میں پیش کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسے حالات میں صرف شاعری ہی وہ ذریعہ ہے جس کی وساطت سے میں انسانیت تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہوں۔ بقول عبادت بریلوی میر نے اپنے زمانے کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے جو نتائج نکالے ہیں اور ان کے سامنے رکھ کر زندگی کا جو لائحہ عمل پیش کیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر محض انفرادی اور ذاتی نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعی اور انسانی زاویہ نظر کا پتا چلتا ہے اور ایک آفاقی آہنگ کا احساس ہوتا ہے..... میر کا یہ خیال ہے کہ اس زمانے میں کوئی کیا زیست کر سکتا ہے۔

Vol. 4 No.1 2020

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

یہاں سوائے بے سر و سامانی اور بے بال و پری کے کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے اس سے بے نیاز ہو جانا ہی مناسب ہے۔ اگرچہ اس خیال کی تان زندگی سے بیزاری اور فرار پر جا کر ٹوٹتی ہے لیکن اس خیال میں جو صداقت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔۸

حوالہ جات:

۱۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، پیش لفظ، میر تقی میر، ادارہ ادب و تنقید، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص الف

۲۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، میر تقی میر، ادارہ ادب و تنقید، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ا

۳۔ ایضاً، ص ۳، ۲

۴۔ ایضاً، ص ۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۷

۶۔ ایضاً، ص ۸۸

۷۔ ایضاً، ص ۱۹

۸۔ ایضاً، ص ۵۳۱